

غامدی صاحب  
کا  
تصورِ حدیث و سنت



ابوعبید  
زاهد الرشیدی



# غامدی صاحب کا تصور حدیث و سنت

ابوعمار زاید الراشدی

الشریعہ اکادمی

## جملہ حقوق محفوظ!

عنوان:	عامدی صاحب کا تصور حدیث و سنت
ناشر:	الشریعہ اکادمی، ہاشمی کالونی، کنگنی والا، گوجرانوالہ
اشاعت اول:	ستمبر ۲۰۱۳ء
قیمت:	۳۰ روپے
تقسیم کار:	(۱) مکتبہ امام اہل سنت، جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ (۲) دارالکتاب، اردو بازار لاہور (۳) کتاب محل، لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

غامدی صاحب کا تصورِ حدیث و سنت

## غامدی صاحب کا تصورِ سنت

محترم جاوید احمد غامدی صاحب کے تصور سنت کے بارے میں 'الشریعہ' کے صفحات میں ایک عرصے سے بحث جاری ہے اور دونوں طرف سے مختلف اصحاب قلم اس سلسلے میں اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں۔ راقم الحروف نے بھی بعض مضامین میں اس کا تذکرہ کیا تھا اور یہ عرض کیا تھا کہ غامدی صاحب نے سنت نبوی کے بارے میں جو انوکھا تصور پیش کیا ہے، اس کے جزوی پہلوؤں پر گفتگو کے ساتھ ساتھ اس کی اصولی حیثیت کے بارے میں بھی بحث و مکالمہ ضروری ہے تاکہ وہ جس تصور سنت سے آج کی نسل کو متعارف کرانا چاہتے ہیں، اس کا صحیح تناظر سامنے آئے اور اس کو قبول یا رد کرنے کے بارے میں متعلقہ حضرات پورے اطمینان کے ساتھ کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔

اسی پس منظر میں گفتگو کے آغاز کے طور پر چند گزارشات قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ محترم غامدی صاحب بھی اپنے موقف کی وضاحت کے لیے اس مکالمہ میں خود شریک ہوں گے اور اپنے قارئین، سامعین اور مخاطبین کی راہ نمائی کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے۔

محترم جاوید احمد غامدی اور ان کے مکتب فکر کے ترجمان ماہنامہ "اشراق" لاہور کا اپریل ۲۰۰۸ کا شمارہ اس وقت میرے سامنے ہے جس میں غامدی صاحب کے رفیق کار جناب محمد رفیع مفتی نے سوال و جواب کے باب میں دوسوالوں کے جواب میں سنت نبوی کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف پیش کیا ہے اور ان کے یہی ارشادات ہماری ان گزارشات کی بنیاد ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں محمد رفیع مفتی صاحب فرماتے ہیں:

”قرآن مجید میں ہر چیز کے موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جو دعوت دی گئی ہے اور حق کی شہادت کے حوالے سے جو استدلال کیا گیا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہے اور وہ ہر پہلو سے جامع ہے، چنانچہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کتاب اجزائے دین کے بیان اور ان کی تفصیلات کے پہلو سے مکمل ہے۔ اجزائے دین کے حوالے سے کئی چیزوں کو اس میں بیان ہی نہیں کیا گیا، مثلاً نماز کی رکعتیں، اوقات اور دیگر تفصیلات، زکوٰۃ کی شرحیں، مونچھیں پست رکھنا، عید الفطر اور عید الاضحیٰ وغیرہ، شریعت سے متعلق یہ اہم چیزیں قرآن مجید میں موجود ہی نہیں۔ چنانچہ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید اس پہلو سے جامع ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے دین کے سب اجزا بیان کر دیے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنا دین ایک رسول کے ذریعے سے دیا ہے اور یہ بات ایک تاریخی سچائی ہے کہ اس رسول نے خدا کا یہ دین ہمیں علم کی صورت میں بھی دیا ہے اور عمل کی صورت میں بھی۔ جو دین ہمیں علم کی صورت میں ملا ہے، وہ سارے کا سارا قرآن مجید میں ہے اور جو عمل کی صورت میں ملا ہے، وہ سنت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت میں جاری کیا ہے۔

چنانچہ اگر ہم قرآن کے علاوہ سنت کے اس ذریعے کا انکار کرتے ہیں تو پھر ان سب اعمال کو ہم بطور دین قبول ہی نہیں کر سکتے۔ بے شک ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے، لیکن اس میں وہ ذکر اس طرح سے موجود ہے کہ گویا یہ پہلے سے موجود اور متعارف چیزیں ہیں جن پر لوگ عمل کر رہے ہیں اور قرآن محض کسی خاص پہلو سے ان کا ذکر کر رہا ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر پورا دین حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن و سنت دونوں کی طرف رجوع کریں۔“

جبکہ اسی باب میں ایک اور سوال کے جواب میں، جس میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک سنت سے کیا مراد ہے اور یہ کون کون سی ہیں، محمد رفیع مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”سنت دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ غامدی صاحب کے نزدیک یہ درج ذیل ہیں:

۱۔ نماز، ۲۔ زکوٰۃ اور صدقہ فطر، ۳۔ روزہ و اعتکاف، ۴۔ حج و عمرہ، ۵۔ قربانی اور ایام تشریق کی

تکبیریں

معاشرت

۱۔ نکاح و طلاق اور اس کے متعلقات، ۲۔ حیض و نفاس میں زن و شوہر کے تعلقات سے

اجتناب

خور و نوش

۱۔ سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت، ۲۔ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ

رسوم و آداب

۱۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا، ۲۔ ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب، ۳۔ چھینک آنے پر الحمد للہ اور اس کے جواب میں یرحمک اللہ، ۴۔ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت، ۵۔ مونچھیں پست رکھنا، ۶۔ زیر ناف کے بال کاٹنا، ۷۔ بغل کے بال صاف کرنا، ۸۔ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا، ۹۔ لڑکوں کا ختنہ کرنا، ۱۰۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی، ۱۱۔ استنجا کرنا، ۱۲۔ حیض و نفاس کے بعد غسل، ۱۳۔ غسل جنابت، ۱۴۔ میت کا غسل، ۱۵۔ تجہیز و تکفین، ۱۶۔ تدفین، ۱۷۔ عید الفطر، ۱۸۔ عید الاضحیٰ۔

ان دونوں عبارتوں کو سامنے رکھ کر ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں، وہ کچھ اس طرح ہے کہ:

○ غامدی صاحب سنت نبوی کے حجت ہونے کے قائل ہیں اور اس بارے میں وہ جمہور امت کے ساتھ ہیں، مگر سنت کی تعریف اور تعین میں وہ جمہور امت سے ہٹ کر ایک الگ مفہوم طے کر رہے ہیں۔

○ وہ سنت کے صرف عملی پہلوؤں پر یقین رکھتے ہیں اور سنت کے ذریعے علم میں کسی نئے اضافے کے قائل نہیں ہیں۔

○ سنت کے عملی پہلوؤں میں بھی وہ اسے صرف دین ابراہیمی کی سابقہ روایات کی تجدید و اصلاح اور ان میں جزوی اضافوں تک محدود رکھتے ہیں اور ان کے نزدیک دین ابراہیمی کی سابقہ روایات

سے ہٹ کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نیا عمل اور ارشاد سنت میں شامل نہیں ہے۔  
 ۵ سنت کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کریم کا وظیفہ بھی صرف اس دائرے میں محدود کر رہے ہیں کہ وہ صرف پہلے سے موجود و متعارف چیزوں کا ذکر کرتا ہے۔ گویا پہلے سے موجود و متعارف چیزوں سے ہٹ کر کوئی نیا حکم دینا یا دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا قرآن مجید کے دائرہ کار میں بھی شامل نہیں ہے۔

۵ ان کے نزدیک سنت کسی اصول و ضابطہ پر مبنی نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی بھی کام کے سنت یا غیر سنت ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہو، بلکہ سنت صرف لگی بندھی اشیا کی ایک فہرست کا نام ہے جس میں کسی بھی حوالے سے کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

۵ اس فہرست سے ہٹ کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ارشاد یا عمل غامدی صاحب کے نزدیک سنت کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور نہ ہی اسے حجت کا درجہ حاصل ہے۔  
 ۵ سنتوں کی اس فہرست میں شامل تمام امور کا تعلق ایک مسلمان کی ذاتی زندگی اور زیادہ سے زیادہ خاندانی معاملات سے ہے جبکہ سوسائٹی کے اجتماعی معاملات سے تعلق رکھنے والے امور میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کو سنت کا درجہ حاصل نہیں ہے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حاکم، قاضی، کمانڈر اور ڈپلومیٹ وغیرہ کے طور پر جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے، وہ بھی سنت کے مفہوم سے خارج ہے۔

چنانچہ سنت کے اس مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے جو ہم نے مندرجہ بالا دو عبارتوں سے سمجھا ہے، یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سنت نبوی کا یہ مفہوم نہ صرف یہ کہ جمہور امت بالخصوص خیر القرون کے اجتماعی تعامل کے منافی ہے بلکہ انتہائی گمراہ کن اور عملاً سنت کے حجت ہونے سے انکار کے مترادف ہے۔ سنت اور حدیث کے حوالے سے محدثین کے بعض فنی مباحث سے قطع نظر جمہور امت کے نزدیک سنت و حدیث میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام ارشادات و اعمال شامل ہیں جو کسی بھی حوالے سے صحیح سند کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ ان



میں ناسخ و منسوخ اور راجح و مرجوح کی ترجیحات، صحیح و ضعیف کی چھان پھٹک اور واجب العمل ہونے یا نہ ہونے کی درجہ بندی اپنے مقام پر مسلم ہے، لیکن سنت نبوی کی تعیین کا بنیادی ماخذ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات و اعمال ہی ہیں جنہیں محدثین کرام نے پورے استناد و اعتماد کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ احادیث کے اسی ذخیرے سے سنت کا تعیین اور انتخاب ہوتا ہے، اس لیے دین میں سنت کے حجت ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ماخذ کی حیثیت سے حدیث نبوی بھی حجت کا درجہ رکھتی ہے اور یہ حدیث و سنت صرف دین ابراہیمی کی سابقہ روایات کی خبر کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ انشا کے درجے میں بہت سے نئے احکام اور قوانین کا اضافہ بھی کرتی ہے، اس لیے اگر قرآن و سنت دونوں کے کردار کو دین ابراہیم کی سابقہ روایات کی خبر دینے اور ان میں تھوڑی بہت اصلاح و ترمیم نیز پہلے سے موجود و متعارف امور کے تذکرہ تک محدود کر دیا جائے تو نہ قرآن کریم مستقل طور پر ”الکتاب“ کے درجے پر فائز رہتا ہے اور نہ ہی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”مستقل رسول“ قرار دینا آسان ہوگا بلکہ (نعوذ باللہ) دونوں کی حیثیت عملاً بنی اسرائیل کے ان انبیاء کرام علیہم السلام اور ان پر نازل ہونے والی وحی کی طرح ہو جائے گی جو موسوی شریعت کے تسلسل کو آگے بڑھانے اور بعض ترمیم اور جزوی رد و بدل کے ساتھ بنی اسرائیل کو اس شریعت پر چلاتے رہنے کے لیے تشریف لاتے رہے ہیں۔

اسی طرح جمہور امت کے نزدیک حدیث و سنت صرف عمل کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ وہ علم کا ماخذ بھی ہے اور ہر دور میں علمائے امت نے حدیث و سنت کے ذخیرے سے عمل میں راہ نمائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے ”علم“ کے باب میں بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً عقیدہ کا تعلق خالصتاً ”علم“ سے ہے اور جمہور امت کے نزدیک جو باتیں عقائد و ایمانیات میں شامل ہیں، ان کی بنیاد صرف قرآن کریم پر نہیں ہے، بلکہ حدیث و سنت کو بھی ایمانیات و عقائد کے تعیین اور تعبیر و تشریح دونوں حوالوں سے ماخذ کی حیثیت حاصل ہے اور جس طرح قرآن کریم کے ارشادات ہمارے عقیدہ و ایمان کا حصہ بنتے ہیں، اسی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات بھی ایمان

و عقیدہ کی بنیاد اور اساس ہیں۔

میں اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کے دور کے دو واقعات کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جو اس بات کی وضاحت کے لیے کافی ہیں کہ خیر القرون میں عقیدہ کے تعین اور تعبیر، دونوں میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث نبویؐ کو بھی ماخذ کی حیثیت حاصل تھی اور ان دونوں کی وضاحت اور ان کے صحیح مصداق کے تعین کے لیے صحابہ کرامؓ سے رجوع کیا جاتا تھا۔

امام مسلم نے ”صحیح مسلم“ کی سب سے پہلی روایت میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن عمرؓ نے، جو تابعین میں سے ہیں، بیان کیا ہے کہ جب بصرہ میں معبد جہنی نے تقدیر کے انکار کی بات کی تو میں اور حمید بن عبدالرحمن حج یا عمرہ کے لیے روانہ ہوئے اور ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمیں صحابہ کرامؓ میں سے کسی بزرگ کی زیارت نصیب ہوگی تو ہم ان سے معبد جہنی کے اس عقیدے کے بارے میں دریافت کریں گے۔ ہمیں اس سفر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زیارت کا شرف حاصل ہو گیا۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ ہمارے علاقے میں کچھ لوگ ہیں جو قرآن کریم بھی پڑھتے ہیں اور علم کی باتیں بھی خوب کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے اور دنیا میں جو کام بھی ہوتا ہے، نئے سرے سے ہوتا ہے (یعنی پہلے سے اس کے بارے میں کچھ لکھا ہوا نہیں ہے)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جب تم واپس جا کر ایسے لوگوں سے ملو تو انہیں میری طرف سے کہہ دو کہ میں ان سے براءت کا اعلان کرتا ہوں اور وہ جب تک تقدیر پر ایمان نہیں لائیں گے، اگر احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیں تو ان سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث سنائی جس میں ایمانیات کا ذکر کرتے ہوئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ’و توؤمن بالقدر خیر و شرہ‘۔ تم تقدیر پر بھی ایمان لاؤ کہ خیر اور شر سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوتا ہے۔

دوسرا واقعہ بھی امام مسلم نے ہی کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اور اس میں ایک اور تابعی

بزرگ حضرت یزید الفقیر فرماتے ہیں کہ میں خوارج کے اس عقیدہ سے متاثر تھا کہ جو شخص ایک بار جہنم میں چلا گیا، وہ وہاں سے کبھی نہیں نکلے گا اور شفاعت کوئی چیز نہیں ہے، مگر مجھے ایک مرتبہ بہت سے دوستوں کے ساتھ حج کے لیے جانے کا موقع ملا تو مدینہ منورہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو مسجد نبوی میں دیکھا کہ وہ ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے لوگوں کو وعظ فرما رہے تھے۔ انہوں نے اپنی گفتگو میں کچھ لوگوں کے جہنم سے نکل کر جنت میں جانے کا ذکر کیا تو میں نے سوال کر دیا کہ حضرت! قرآن کریم تو کہتا ہے کہ 'ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ'۔ اے اللہ، جس کو تو نے جہنم میں داخل کیا تو اسے رسوا کر دیا۔ اور قرآن کریم میں ہے کہ 'کَلِمَا ارَادُوا ان یخرجوا منها اعیلوا فیہا'، جہنم سے جب بھی لوگ نکلنے کا ارادہ کریں گے تو اسی میں لوٹا دیے جائیں گے۔ تو اس کے بعد آپ حضرات یہ کہا کہہ رہے ہیں کہ شفاعت ہوگی اور کچھ لوگوں کو جہنم میں سے نکالا جائے گا؟ حضرت جابر نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ کیا اس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "مقام محمود" کا تذکرہ بھی پڑھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں پڑھا ہے تو اس پر حضرت جابر بن عبد اللہ نے ایک طویل حدیث سنائی جس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن "مقام محمود" میں کھڑے ہو کر شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت پر بے شمار لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، جبکہ وہ آگ میں جل کر کونڈہ ہو چکے ہوں گے۔ یزید الفقیر فرماتے ہیں کہ حضرت جابر سے یہ حدیث سن کر ہم نے آپس میں گفتگو کی اور ایک دوسرے سے کہا کہ تمہارے لیے بربادی ہو، کیا یہ بزرگ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے جھوٹ بول رہے ہیں؟ چنانچہ ایک شخص کے سوا ہم سب رفتانے اپنے سابقہ عقیدے سے رجوع کر لیا۔

ان دونوں واقعات کو ایک بار پھر پڑھ لیجیے، بلکہ ہم نے تو انہیں مختصراً نقل کیا ہے۔ ہو سکے تو صحیح مسلم میں انہیں براہ راست بھی دیکھ لیجیے۔ ان میں عقیدہ کی بات ہے اور ایک واقعہ میں تو اشکال

کے لیے قرآن کریم کی دو آیات کا حوالہ دیا گیا ہے، عقیدہ کی وضاحت کے لیے صحابہ کرام سے رجوع کیا گیا ہے، دونوں بزرگوں یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ نے عقیدہ کی وضاحت کے لیے حدیث نبویؐ پیش کی ہے اور پوچھنے والوں نے اسے کافی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدہ کو درست کر لیا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا اسلوب یہی ہے کہ وہ دین کے حوالے سے سنت و حدیث کو ماخذ و معیار سمجھتے ہیں، جبکہ اس کی وضاحت کے لیے صحابہ کرام سے رجوع کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے ہیں، چنانچہ عقائد کے باب میں جو رسالے عقائد کے بحث و مباحثہ کے آغاز میں لکھے گئے تھے، ان میں حضرت امام ابو حنیفہ کا رسالہ ”الفقہ الاکبر“، امام محمد کا رسالہ ”عقیدۃ الشیبانی“، امام احمد بن حنبل کا رسالہ ”العقیدۃ“ اور امام طحاوی کا رسالہ ”العقیدۃ الطحاویہ“ معروف رسائل ہیں۔ ان میں جتنے عقائد کا ذکر ہے اور جن پر ایمان لانا ایک مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے، ان میں سے بیشتر کا ماخذ حدیث نبویؐ ہے اور قرآن کریم کے ساتھ ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات سے بھی عقائد و ایمانیات میں استفادہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری جمہور امت اور اہل سنت کے اسلوب کا بہترین نمونہ ہے جس میں حضرت امام بخاریؒ نے ”الجامع الصحیح“ کے سب سے پہلے باب ”کتاب الایمان“ میں عقائد و ایمانیات بیان کیے ہیں اور سب سے آخری باب ”کتاب الرد علی الجہمیۃ“ میں عقائد کی تعبیرات و تشریحات کا ذکر کیا ہے اور دونوں ابواب میں یعنی عقیدہ کے تعین اور اس کی تعبیر و تشریح دونوں میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث نبویہؐ کو بھی بنیاد بنایا ہے، ان دونوں کی وضاحت اور ان کے مصداق کے تعین کے لیے حضرات صحابہ کرام کے ارشادات و توضیحات سے استدلال کیا ہے اور یہی قرآن و سنت کی بنیاد پر دین کی تعبیر و تشریح کا صحیح اسلوب اور معیار ہے۔

اس ضمن میں ماہنامہ ”اشراق“ کے مذکورہ شمارے (اپریل ۲۰۰۸) کے صفحہ ۸ میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کے اس ارشاد کا

حوالہ دینا بھی شاید نامناسب نہ ہو کہ:

”اصل الفاظ ہیں: بل رفعہ اللہ الیہ۔ اس رفع کی وضاحت قرآن نے سورہ آل عمران (۳) کی آیت ۵۵ میں اس طرح فرمائی ہے کہ وفات کے بعد اللہ تعالیٰ انھیں اپنی طرف اٹھا لیں گے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ روح قبض کر کے ان کا جسم بھی اٹھا لیا جائے گا تا کہ ان کے دشمن اس کی توہین نہ کر سکیں۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بارے میں غامدی صاحب کا یہ کہنا امت کے اجماعی عقیدہ کے منافی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک عقیدہ کے تعین و تعبیر میں سنت و حدیث کا کوئی دخل نہیں ہے اور ان کے خیال میں قرآن کریم سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح قبض کیے بغیر زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اگرچہ ان کا یہ موقف بھی محل نظر ہے کہ قرآن کریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ حالت میں آسمانوں کی طرف اٹھائے جانے کا ثبوت نہیں ملتا، لیکن اس وقت ہمارا یہ موضوع گفتگو نہیں ہے اور ہم سر دست یہ عرض کرنا چاہ رہے ہیں کہ چونکہ غامدی صاحب سنت و حدیث کو علم کا ذریعہ نہیں سمجھتے اور عقائد کے ماخذ کے طور پر تسلیم نہیں کرتے، اس لیے انھیں امت کے اس اجماعی عقیدہ سے انحراف کرنا پڑ رہا ہے اور بات صرف اس ایک عقیدہ تک محدود نہیں ہے، اور بھی بہت سے معاملات میں جمہور امت کے اجماعی تعامل سے غامدی صاحب کے انحراف کی وجہ یہی ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک محترم جاوید احمد غامدی صاحب کا یہ ”تصور سنت“ صرف امت کے اجماعی تعامل و عقیدہ ہی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ’ومن یشاقق الرسول اور ’ویتبع غیر سبیل المؤمنین‘ کی حدوں کو چھوٹا ہوا بھی نظر آ رہا ہے، اس لیے ہم ’الدین النصیحة‘ کے تحت پورے خلوص کے ساتھ انھیں اس گمراہ کن تصور سے رجوع کا برادرانہ مشورہ دینا اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

## تصور سنت کے حوالے سے بحث و مباحثہ

محترم جاوید احمد غامدی کے تصور سنت کے بارے میں ”الشریعہ“ کے صفحات میں ایک عرصہ سے بحث جاری ہے اور دونوں طرف سے ہمارے فاضل دوست اس میں سنجیدگی کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں۔ راقم الحروف نے بھی ”غامدی صاحب کا تصور سنت“ کے عنوان سے ”الشریعہ“ کے جون ۲۰۰۸ء کے شمارے میں کچھ معروضات پیش کی تھیں اور چند اہم نکات کی نشاندہی کرتے ہوئے ان الفاظ میں غامدی صاحب سے اس بحث میں خود شریک ہونے کی درخواست کی تھی کہ:

”امید رکھتا ہوں کہ محترم غامدی صاحب بھی اپنے موقف کی وضاحت کے لیے اس مکالمہ میں خود شریک ہوں گے اور اپنے قارئین، سامعین اور مخاطبین کی راہنمائی کے لیے اپنا کردار کریں گے۔“

مگر غامدی صاحب کے ایک شاگرد سید منظور الحسن نے ”الشریعہ“ جنوری ۲۰۰۹ء میں حافظ محمد زبیر کے ایک تفصیلی مضمون کا جواب دیتے ہوئے میری اس درخواست کو یوں نمٹا دیا ہے کہ: ”اس تحریر میں ہم حافظ زبیر کے جملہ اعتراضات کے حوالے سے بحث کریں گے۔ ان کا مضمون تفصیلی بھی ہے اور کم و بیش ان تمام اعتراضات کا احاطہ کرتا ہے جو مولانا زاہد الراشدی نے اٹھائے ہیں“ لیکن محترم سید منظور الحسن کی یہ تحریر میرے لیے قابل قبول نہیں ہے، اس لیے کہ میں نے ان نکات و اعتراضات کی وضاحت کے لیے خود محترم جاوید احمد غامدی صاحب سے گزارش کر رکھی ہے اور شرعی اور اخلاقی طور پر یہ انہی کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے موقف کی وضاحت کریں۔ چنانچہ اپنے سابقہ مضمون میں اٹھائے گئے اہم نکات کا اعادہ کرتے ہوئے ایک بار پھر غامدی صاحب

سے درخواست کر رہا ہوں کہ وہ خود اس بحث میں شریک ہوں اور اپنے مخاطبین کی صحیح راہنمائی کرنے کے ساتھ ملک کے جمہور اہل علم کو مطمئن کریں۔

غامدی صاحب کے متعدد مضامین اور توضیحات کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف نے درج ذیل نکات پیش کیے تھے:

۱۔ غامدی صاحب سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجت ہونے کے قائل ہیں اور اس بارے میں وہ جمہور امت کے ساتھ ہیں، مگر سنت کی تعریف اور تعین میں وہ جمہور امت سے ہٹ کر ایک الگ مفہوم طے کر رہے ہیں۔

۲۔ وہ سنت کے صرف عملی پہلوؤں پر یقین رکھتے ہیں اور سنت کے ذریعے علم میں کسی نئے اضافے کے قائل نہیں ہیں۔

۳۔ سنت کے عملی پہلوؤں میں بھی وہ اسے صرف دین ابراہیمی کی سابقہ روایات کی تجدید و اصلاح اور ان میں جزوی اضافوں تک محدود رکھتے ہیں اور ان کے نزدیک دین ابراہیمی کی سابقہ روایات سے ہٹ کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نیا عمل یا ارشاد سنت نہیں ہے۔

۴۔ سنت کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کریم کا وظیفہ بھی صرف اس دائرے تک محدود کر رہے ہیں کہ وہ پہلے سے موجود و متعارف چیزوں کا ذکر کرتا ہے۔ گویا پہلے سے موجود و متعارف چیزوں سے ہٹ کر کوئی نیا حکم دینا یا دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا قرآن مجید کے دائرہ کار میں بھی شامل نہیں ہے۔

۵۔ ان کے نزدیک سنت کسی اصول و ضابطہ پر مبنی نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی بھی کام کے سنت یا غیر سنت ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہو، بلکہ سنت صرف لگی بندھی اشیاء کی ایک فہرست کا نام ہے جس میں کسی بھی حوالے سے کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

۶۔ اس فہرست سے ہٹ کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ارشاد یا عمل غامدی صاحب کے نزدیک سنت کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور نہ ہی اسے حجت کا درجہ حاصل ہے۔

۷۔ سنتوں کی اس فہرست میں شامل تمام امور کا تعلق ایک مسلمان کی ذاتی زندگی اور زیادہ سے زیادہ خاندانی معاملات سے ہے جب کہ سوسائٹی کے اجتماعی معاملات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کو سنت کا درجہ حاصل نہیں ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حاکم، قاضی، کمانڈر اور ڈپلومیٹ وغیرہ کے طور پر جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے، وہ بھی سنت کے مفہوم سے خارج ہے۔

۸۔ غامدی صاحب کے نزدیک عقیدہ کے تعین و تعبیر میں سنت و حدیث کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۹۔ سنت کے اس مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے جو ہم نے غامدی صاحب کی عبارتوں سے سمجھا ہے، یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مفہوم نہ صرف یہ کہ جمہور امت بالخصوص خیر القرون کے اجتماعی تعامل کے منافی ہے بلکہ انتہائی گمراہ کن اور عملاً سنت کے حجت ہونے سے انکار کے مترادف ہے۔

مجھے اس امر پر اصرار نہیں ہے کہ غامدی صاحب کی عبارات سے سنت کا جو مفہوم میں نے سمجھا ہے، وہی غامدی صاحب کی مراد بھی ہے اور اسی لیے میں نے ان سے وضاحت کی درخواست کی ہے، لیکن یہ وضاحت غامدی صاحب کو خود کرنی چاہیے۔ ان سے ہٹ کر کسی اور دوست کی وضاحت ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اگر محترم جاوید غامدی صاحب بذات خود اس بحث میں شریک ہوتے ہیں تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے اور ان کے پورے احترام کے ساتھ اس بحث کو آگے بڑھائیں گے، لیکن اگر وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تو پھر ان کے تلامذہ کے ذریعے سالہا سال سے جاری یہ بحث بے فائدہ تکرار اور لاجاصل مشق کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے جسے ہم شاید مزید جاری نہ رکھ سکیں۔



## حدیث و سنت: غامدی صاحب کا موقف

حدیث و سنت کے بارے میں محترم جناب جاوید احمد غامدی کی مختلف تحریرات کے حوالہ سے راقم الحروف نے کچھ اشکالات ”الشریعہ“ میں پیش کیے تھے اور غامدی صاحب سے گزارش کی تھی کہ وہ ان سوالات و اشکالات کے تناظر میں حدیث و سنت کے بارے میں اپنے موقف کی خود وضاحت کریں تاکہ اہل علم کو ان کا موقف سمجھنے میں آسانی ہو۔ غامدی صاحب محترم نے اس گزارش کو قبول کرتے ہوئے ماہنامہ ”اشراق“ کے مارچ ۲۰۰۹ء کے شمارے میں اپنا موقف تحریر فرمایا ہے جسے ان کے شکریہ کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہم کچھ مزید معروضات بھی پیش کر رہے ہیں۔

غامدی صاحب محترم فرماتے ہیں کہ:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو قرآن دیا ہے۔ اس کے علاوہ جو چیزیں آپ نے دین کی

حیثیت سے دنیا کو دی ہیں، وہ بنیادی طور پر تین ہی ہیں:

۱۔ مستقل بالذات احکام و ہدایات جن کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی۔

۲۔ مستقل بالذات احکام و ہدایات کی شرح و وضاحت، خواہ وہ قرآن میں ہوں یا قرآن

سے باہر۔

۳۔ ان احکام و ہدایات پر عمل کا نمونہ۔

یہ تینوں چیزیں دین ہیں۔ دین کی حیثیت سے ہر مسلمان انہیں ماننے اور ان پر عمل کرنے کا

پابند ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی نسبت کے بارے میں مطمئن ہو جانے کے بعد کوئی صاحب ایمان ان سے انحراف کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اُس کے لیے زیبا یہی ہے کہ وہ اگر مسلمان کی حیثیت سے جینا اور مرنا چاہتا ہے تو بغیر کسی تردد کے ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

ہمارے علما ان تینوں کے لیے ایک ہی لفظ ”سنت“ استعمال کرتے ہیں۔ میں اسے موزوں نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک پہلی چیز کے لیے ”سنت“، دوسری کے لیے ”تفہیم و تبیین“ اور تیسری کے لیے ”اسوۂ حسنہ“ کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اصل اور فرع کو ایک ہی عنوان کے تحت اور ایک ہی درجے میں رکھ دینے سے جو خلطِ مبحث پیدا ہوتا ہے، اُسے دور کر دیا جائے۔

یہ محض اصطلاحات کا اختلاف ہے، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو میرے اور ائمہٴ سلف کے موقف میں سرمو کوئی فرق نہیں ہے۔ میرے ناقدین اگر میری کتاب ”میزان“ کا مطالعہ دقت نظر کے ساتھ کرتے تو اس چیز کو سمجھ لیتے اور انھیں کوئی غلط فہمی نہ ہوتی۔ یہ توقع اب بھی نہیں ہے۔ دین کے سنجیدہ طالب علم، البتہ مستحق ہیں کہ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے یہ چند معروضات اُن کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔

اولاً، سنت کے ذریعے سے جو دین ملا ہے، اُس کا ایک بڑا حصہ دین ابراہیمی کی تجدید و اصلاح پر مشتمل ہے۔ تمام محققین یہی مانتے ہیں۔ تاہم اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں محض جزوی اضافے کیے ہیں۔ ہرگز نہیں، آپ نے اس میں مستقل بالذات احکام کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس کی مثالیں کوئی شخص اگر چاہے تو ”میزان“ میں دیکھ لے سکتا ہے۔ یہی معاملہ قرآن کا ہے۔ دین کے جن احکام کی ابتدا اُس سے ہوئی ہے، اُن کی تفصیلات ”میزان“ کے کم و بیش تین سو صفحات میں بیان ہوئی ہیں۔ میں ان میں سے ایک ایک چیز کو ماننے اور اُس پر عمل کرنے کو ایمان کا تقاضا سمجھتا ہوں، اس لیے یہ الزام بالکل لغو ہے کہ پہلے سے موجود اور متعارف چیزوں سے ہٹ کر کوئی نیا حکم دینا یا دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا میرے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کے دائرہ کار میں شامل ہی نہیں ہے۔

پانچا، سنت کی تعین کے ضوابط کیا ہیں؟ ان کی وضاحت کے لیے میں نے ”میزان“ کے مقدمہ ”اصول و مبادی“ میں ”مبادی تدبر سنت“ کے عنوان سے ایک پورا باب لکھا ہے۔ یہ سات اصول ہیں۔ ان کی بنیاد پر ہر صاحب علم کسی چیز کے سنت ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ سنن کی ایک فہرست انھی اصولوں کے مطابق میں نے مرتب کر دی ہے۔ اس میں کمی بھی ہو سکتی ہے اور بیشی بھی۔ تحقیق کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد میں خود بھی وقتاً فوقتاً اس میں کمی بیشی کرتا رہا ہوں۔ میں نے کبھی اس امکان کو رد نہیں کیا ہے۔

حالاً، اس فہرست سے ہٹ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار شادات بھی دین کی حیثیت سے روایتوں میں نقل ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کو میں نے ”تفہیم و تبیین“ اور بعض کو ”اسوۂ حسنہ“ کے ذیل میں رکھا ہے۔ یہی معاملہ عقائد کی تعبیر کا ہے۔ اس سلسلہ کی جو چیزیں روایتوں میں آئی ہیں، وہ سب میری کتاب ”میزان“ کے باب ایمانیات میں دیکھ لی جاسکتی ہیں۔ یہ بھی ”تفہیم و تبیین“ ہے۔ علمی نوعیت کی جو چیزیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نقل ہوئی ہیں، ان کے لیے صحیح لفظ میرے نزدیک یہی ہے۔ آپ سے نسبت متحقق ہو تو اس نوعیت کے ہر حکم، ہر فیصلے اور ہر تعبیر کو میں حجت سمجھتا ہوں۔ اس سے ادنیٰ اختلاف بھی میرے نزدیک ایمان کے منافی ہے۔“

جہاں تک غامدی صاحب کے موقف کا تعلق ہے، وہ ان کے اس مضمون کی صورت میں اہل علم کے سامنے ہے اور اگر اس کے بارے میں کسی کے ذہن میں تحفظات موجود ہیں تو اس کا علمی انداز میں اظہار ہونا چاہیے۔ البتہ راقم الحروف سر دست دو پہلوؤں پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ایک یہ کہ غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ ”یہ محض اصطلاحات کا اختلاف ہے، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو میرے اور ائمہ سلف کے موقف میں سر مو کوئی فرق نہیں“۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ اگر صرف اتنی سی بات ہے تو اصطلاحات و تعبیرات کے اس فرق میں یہ پہلو ضرور ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ نئی اصطلاح اور جداگانہ تعبیر سے کیا نئی نسل کے ذہن میں کوئی کنفیوژن تو پیدا نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ اس وقت ہماری نئی نسل مختلف اطراف سے پھیلائے جانے والے کنفیوژن کی زد میں ہیں، اسے اس ماحول سے نکالنا ایک مستقل دینی ضرورت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ایسے ماحول

میں سنجیدہ اہل علم کو نئی نسل کی ذہنی اور فکری الجھنوں میں اضافہ کرنے کی بجائے ان میں کمی کرنے کا اسلوب اختیار کرنا چاہیے اور ہم برادرانہ جذبات کے ساتھ غامدی صاحب محترم سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ بھی اس پر غور فرمائیں گے۔

دوسری گزارش ہے کہ غامدی صاحب محترم نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات کو (۱) مستقل بالذات احکام، (۲) مستقل بالذات احکام و ہدایات کی شرح و وضاحت اور (۳) ان احکام و ہدایات پر عمل کا نمونہ میں تقسیم کیا ہے اور فرمایا کہ وہ پہلے حصے کو سنت، دوسرے کو تفہیم و تبیین اور تیسرے حصے کو اسوۂ حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ علمائے کرام ان سب کو سنت قرار دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ان امور کو سنت قرار دینے کی نسبت صرف علمائے کرام کی طرف کرنا شاید واقعہ کے مطابق نہیں ہے، اس لیے کہ خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور صحابہ کرامؓ کے فرمودات میں ایسے امور پر سنت کا اطلاق پایا جاتا ہے جو غامدی صاحب کی تقسیم کی رو سے سنت میں شمار نہیں ہوتیں، مثلاً:

(۱) بخاری شریف کی روایت (۸۹۸) کے مطابق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن کی ترتیب میں نماز کو پہلے اور قربانی کو بعد میں رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ جس نے ہماری ترتیب پر عمل کیا، ”فقد اصاب سنتنا“ اس نے ہماری سنت کو پالیا۔

(۲) بخاری شریف کی روایت (۱۵۵۰) کے مطابق حج کے موقع پر حجاج بن یوسف کو ہدایات دیتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ”ان كنت تريد السنة“ اگر تم سنت پر عمل کا ارادہ رکھتے ہو تو خطبہ مختصر کرو اور وقوف میں جلدی کرو۔

(۳) بخاری شریف کی روایت (۱۴۶۱) کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں لوگوں کو حج اور عمرہ اکٹھا کرنے سے بعض وجوہ کی بنا پر منع کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھ لیا کہ میں کسی کے قول پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتا۔

(۴) بخاری کی روایت (۳۷۶) میں بتایا گیا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں رکوع و سجود مکمل نہیں کر رہا تو فرمایا کہ اگر تو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے مر گیا تو تیری موت ”سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ پر نہیں ہوگی۔

(۵) بخاری شریف کی روایت (۱۵۹۸) میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ کو بٹھا کر ذبح کر رہا ہے تو فرمایا کہ اس کو کھڑا کر کے ایک ٹانگ باندھ دو اور سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ذبح کرو۔

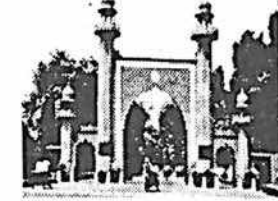
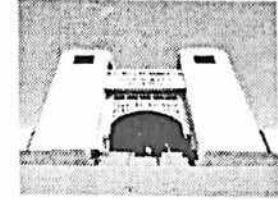
(۶) بخاری کی روایت (۲۳۸۳) میں بتایا گیا ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں اپنا پاجا ہوا مشروب بائیں طرف بیٹھے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق کی بجائے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ایک اعرابی کو دیا اور فرمایا کہ کوئی چیز دینے لگو تو دائیں طرف سے شروع کرو۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت انس نے فرمایا کہ یہی سنت ہے، یہی سنت ہے، یہی سنت ہے۔

احادیث کے ذخیرے میں اس نوعیت کی بیسیوں روایات موجود ہیں جن میں سے چند کا ہم نے بطور نمونہ تذکرہ کیا ہے، اس لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کے مختلف پہلوؤں پر ”سنت“ کے اطلاق کو صرف علما کی بات کہہ کر نظر انداز کر دینا مناسب نہیں ہے اور غامدی صاحب محترم کو اس پر بھی بہر حال نظر ثانی کرنی چاہیے۔

(الشریعہ، اپریل ۲۰۰۹ء)

# الشرعیہ

گوجرانوالہ  
ماہنامہ



## خصوصی اشاعت

ماہنامہ الشرعیہ کا طرز فکر اور پالیسی:  
اعتراضات و اشکالات کا جائزہ

جون ۲۰۱۲ء



[www.alsharia.org](http://www.alsharia.org)

صفحات: 192 قیمت: 150 روپے